عفت سحر طاہر

# بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز، زارا اور ایزد۔ صالحہ، امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ، الہڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں، مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی، نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ، امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ گزارا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آ جاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آ جاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد، ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں احناف اس کی
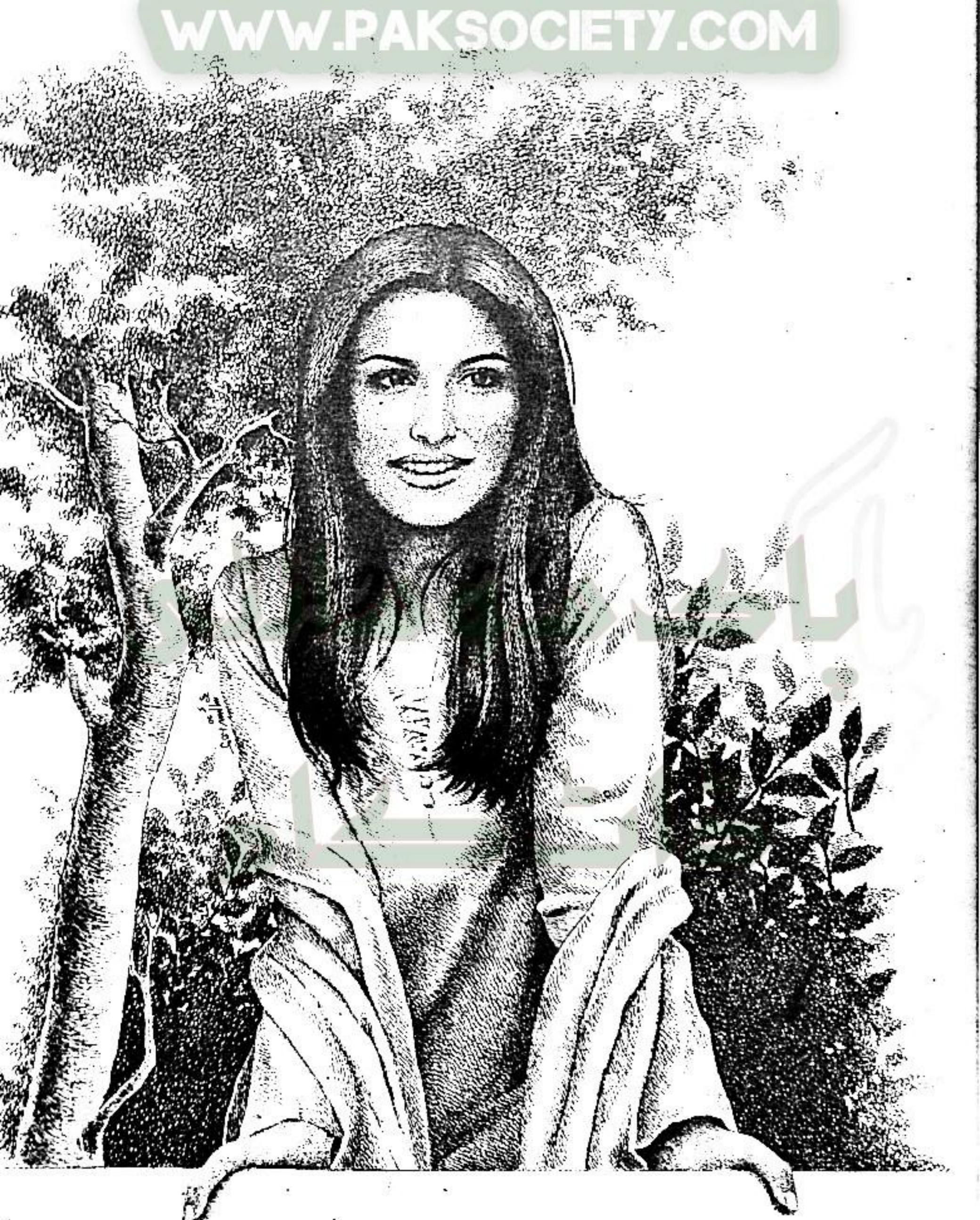
دوستی ہے۔ جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے' مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔
معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں' مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے' ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب' معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔
ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے' مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے' مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے' مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز' ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے' مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔
عون' معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی' ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے' مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔
میم' ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے' مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد' ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔
وہ بتادیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے' مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب پھر ثانیہ کے' آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کردیتی ہے' مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا' ثانیہ کو فون کردیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم' حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے' مگر ثانیہ' ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں، مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے، مگر اس کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کرکے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔



سفینہ بیگم اب تک یہی سمجھ رہی ہیں کہ ابیہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے، مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ابیہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کرجاتی ہے۔ ارم کی بہن تسلیم ایک اچھی لڑکی ہے، وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کرکے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کررہا ہے۔ عزت کریں عون کی، اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔

رباب، سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ابیہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ابیہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جاکر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں، جس سے وہ گر جاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ابیہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آکر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آکر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ابیہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ابیہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کردیتا ہے۔



## اکیسویں قسط



بیٹھے بیٹھے دعائیں کرتے جانے کتنی دیر ہوگئی تھی۔ دعا کرتی زارا کے آنسو تھمنے میں نہیں آتے تھے۔

ابیہا کی اس سے جھجک فطری تھی۔ جو رشتہ اور جو حالات ان کے درمیان تھے، وہ اسے آگے بڑھنے سے روکتے تھے، مگر پھر ایک مماثلت ان کے مابین پل بنی۔۔۔ ماں۔ ابیہا اپنی ماں کا دکھ جھیل چکی تھی، جبکہ زارا اس تکلیف سے گزر رہی تھی۔ وہ زارا کا ہاتھ تھام کر پیار سے سہلاتی اسے دوسراہٹ کا احساس دلا رہی تھی۔ ایسے میں معیز کی کال آنا اور اس کی بات سن کر ابیہا کا رنگ اڑنا۔۔۔ زارا کے دل کو جیسے کسی نے شکنجے میں کس لیا ہو۔ اسے اگلے ہی لمحے سانس لینے میں دشواری ہوئی۔



"بابا۔۔۔ کیا ہوا؟ ماما کو۔۔۔ کس کا فون ہے؟" وہ متوحش سی سرسراتی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ معیز لائن کاٹ چکا تھا مگر ابیہا کے کندھوں پر ایک بھاری ذمہ داری کا بوجھ رکھ کر۔

"زارا کو مت بتانا" اس کے کانوں میں معیز کی تھکی صدمے سے بوجھل آواز ابھی تازہ تھی۔
ایبہا نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور زارا کی طرف اعتماد سے دیکھنے کی کوشش کی۔
"وہ... آئی سی یو میں ہیں' چیک اپ ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" زارا نے بے اعتباری سے اسے دیکھا۔ جس کی رنگت ابھی بھی اپنا اصل رنگ کھوئے ہوئے تھی۔
"آمین... " زارا نے شدت جذبات سے بھرپور انداز میں کہا۔ وہ ایبہا کی بات پہ دل سے یقین کرنا چاہتی تھی۔ چاہے یہ سچ تھا یا جھوٹ۔ مگر وہ اسی پہ اعتبار کر کے جینا چاہتی تھی کہ سفینہ زندہ ہیں۔ ڈاکٹرز کی ٹیم ان کا تفصیلی چیک اپ کر رہی ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ خاموشی ان دونوں کے درمیان بکل مار کے بیٹھ گئی۔ زارا مسلسل زیر لب ورد کرتی دونوں بھائیوں میں سے کسی کو بھی فون نہ کر رہی تھی۔
جانے کس فریب کے حصار میں گھری رہنا چاہتی تھی؟

☼ ☼ ☼

عون بھاگم بھاگ اسپتال پہنچا تو عمر اور ایراز سمیت معیز کا حال بھی دگرگوں تھا۔ سفینہ بیگم ابھی تک آئی سی یو میں تھیں۔ اور ڈاکٹرز کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے۔ معیز نے ایبہا کو فون کر کے سفینہ بیگم کی خرابی طبع... اور دعا کرنے کا کہہ دیا اور ساتھ ہی تاکید بھی کہ زارا کو "سب ٹھیک ہے" کی رپورٹ ہی دے۔
"یہ سب ہوا کیسے...." عون دکھ کی کیفیت میں تھا۔
"بس ایک دم سے بی پی شوٹ کر گیا... وہ تو زارا نے دیکھ لیا ورنہ تو اسپتال بھی ٹائم پہ نہ پہنچ پاتے۔"
معیز خود کو بہت ضبط سے سنبھال رہا تھا۔ ورنہ ایراز تو باقاعدہ عمر کے گلے لگ کے رو چکا تھا۔
اگلے چار گھنٹے اسی ٹینشن اور شدید پریشانی میں گزرے ڈاکٹرز اور اسٹاف پوچھنے پر بھی فی الحال مریض کی حالت نہیں بتا رہے تھے۔
اور پھر سینئر ڈاکٹر فاروق جلال نے بالآخر معیز کو اپنے کمرے میں بلایا تو وہ افتاں و خیزاں ان کے کمرے میں پہنچے تو ان کے فق چہروں کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر فاروق نے تمہید باندھی۔
"دیکھیں ہر کام میں اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ زندگی دینے والا وہ ہے تو موت پر بھی اسی کو قدرت حاصل ہے۔ ہم لوگ تو بس اپنی سی کوشش کر سکتے ہیں۔ کسی کی سانسوں کو بحال کرنے کی۔ اصل ڈاکٹر جو زندگی اور موت کا فیصلہ کرتا ہے وہ اوپر بیٹھا ہے۔"
انہوں نے انگشت شہادت سے آسمان کی جانب اشارہ کیا تو معیز نے متوحش انداز میں پوچھا۔
"ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے... ماما ٹھیک تو ہیں نا!" ڈاکٹر فاروق نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی کرسی سے پشت لگائی۔
"وہ اللہ ہے ہر شے پر قادر۔ چاہے تو زندگی دے اور چاہے تو موت... مگر ایک تیسری کنڈیشن بھی ہے۔" وہ کہتے ہوئے لحہ بھر کو تھمے۔ چار فق چہروں کو دیکھا پھر بولے۔
"چاہے تو زندگی اور موت کے درمیان معلق کر دے۔"
"یو مین... کیا...؟"
عمر نے بے یقینی سے ایک دم پوچھا تو معیز اور ایراز وحشت زدہ سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگے۔ پھر ڈاکٹر کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر دکھ سے اپنی جگہ گڑ گئے۔

"یہ کیفیت دو دن کی بھی ہو سکتی ہے، دو سال کی بھی یا پھر سالوں تک کی بھی۔۔۔"
ڈاکٹر فاروق انہیں تفصیلی بریفنگ دے رہے تھے، جو ان کی سائیں سائیں کرتی سماعتوں سے ٹکرا تو رہی تھی، مگر دکھ اور غم کی شدت فی الحال اور کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھوئے ہوئے تھی۔

☼ ☼ ☼

دکھ اور تکلیف کی ایک شدید لہر تھی جو اس گھرانے سے پوری طاقت کے ساتھ ٹکرا گئی۔
اور اُن کا ردعمل بھی وہی تھا جو کسی بھی تکلیف کے آنے پہ ہوتا ہے۔ پوری طاقت سے خوف زدہ سا ہو کر چیخنا چلانا اور آہستہ آہستہ اس تکلیف کی حقیقت کو قبول کرتے ہوئے اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر خود کو مجبور پانا۔
مگر اس تکلیف کا احساس بھی ساتھ نہ چھوڑتا تھا۔ بالکل ایڑی کے کانٹے کی طرح ہر قدم پہ تکلیف۔
آج ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ اور سفینہ بیگم ہاسپٹل میں کومے کی کیفیت میں تھیں۔ زارا کی آہ و بکا اور رونا کرلانا بھی ان کی بند پلکوں میں جنبش نہ لا پایا تھا اور نہ ہی جوان بیٹوں کے ہاتھوں کا بے بسی بھرا لمس اور دبی سسکیاں۔ مگر وہ مرد تھے جیسے تیسے خود کو سنبھال کر بظاہر پھر مضبوطی سے کھڑے ہو گئے مگر زارا۔۔۔ ماں کی لاڈلی ان کے بغیر ایک پل نہ رہنے والی۔ سارا دن ماں کا ہاتھ تھامے بیٹھی رہتی۔
سفیر احسن اور ان کی پوری فیملی فوری طور پر ہاسپٹل پہنچی۔ زارا کی حالت دگرگوں تھی۔ معیز اور عمر کے لاکھ۔۔۔ سمجھانے پر بھی وہ گھر جانے کو تیار نہیں تھی۔ اسے دیکھ کر سفیر کا دل دکھ سے بھر گیا۔
ایسی ملاقات کا خواب تو ان دونوں میں سے بھی کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ سفیر نے زارا کے سر پہ ہاتھ رکھا تو اس میں ہمدردی محبت اور دو سراہٹ کا احساس تھا۔ زارا سفیر کی امی کے گلے لگ کے بلک اٹھی۔
سب ہی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
یا خدا۔ یہ کیسی زندگی تھی، موت نہ ہوتے ہوئے بھی موت جیسی۔
سفیر کی امی کے سمجھانے پر وہ بمشکل گھر آنے پر راضی ہوئی۔ واپسی پہ رباب اس کے ساتھ گھر آئی۔
عمر اور ایراز نے معیز کو بھی تھوڑی دیر آرام کے لیے ان کے ساتھ ہی بھجوا دیا۔ ایک ہفتے سے وہ مسلسل سفینہ بیگم کے سرہانے بیٹھا تھا۔
"نارمل ہو جاؤ معیز! اللہ سے احتجاج باندھ کے مت بیٹھو۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے یوں ڈاکٹرز کے پیچھے بھاگنے اور راتوں کو مسلسل جاگتے رہنے سے کچھ نہیں ہونے والا۔ بلکہ تم اپنی بھی صحت خراب کر رہے ہو۔ مریض کی دیکھ بھال ایک مریض نہیں، بلکہ ایک صحت مند انسان ہی کر سکتا ہے۔"
اس کے احتجاج پر عمر نے اس کے شانوں پہ دونوں ہاتھ جماتے ہوئے تادیبی انداز میں سمجھایا تو وہ چپ سا ہو گیا۔

عمر اور ایراز باری باری آرام کر لیا کرتے تھے، لیکن معیز نے تو گویا قسم ہی کھالی تھی کہ جب تک سفینہ بیگم آنکھ نہ کھولیں گی، وہ ان کے سرہانے سے نہیں اٹھے گا۔
اندرونی دروازہ ایبہا نے کھولا تو رباب کے اندر سے ناگواری کی ایک لہر اٹھی۔ اور بے یقینی کا احساس۔
معیز نے زارا کے شانے پر بازو پھیلائے اسے سہارا دے رکھا تھا۔ اسے اندر لے آیا۔ لاؤنج میں صوفے پہ اسے بٹھایا تو وہ نڈھال سی تھی۔
"تم کیا کھڑی تماشا دیکھ رہی ہو۔ جا کے ٹھنڈے پانی کی بوتل لاؤ۔۔۔ نان سینس۔"

رباب نے مضطربانہ ہاتھوں کی انگلیاں مسلتی ایبہا کو اس قدر اچانک اور بگڑے ہوئے انداز میں مخاطب کیا تھا کہ وہ سن سی رہ گئی۔ معیز نے چونک کر ایبہا کو دیکھا۔ وہ بہ سرعت کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ معیز کو رباب کا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔

"اٹس اوکے رباب۔" معیز نے ہلکے سے اسے ٹوکا۔

"کیا اوکے ہے؟ دیکھ نہیں رہی۔ اتنی گرمی میں باہر سے آئے ہیں۔ سر پہ چڑھ کے تماشا دیکھ رہی ہے بس۔ آنے والوں کو پانی ہی پوچھ لیتے ہیں۔ زارا کو دیکھو' کیسے نڈھال ہو رہی ہے۔" رباب نے تیز لہجے میں کہا۔ جو ایبہا نے بخوبی سنا۔

اس نے بوتل سے گلاس میں پانی انڈیلا اور صوفے پہ ٹکتے ہوئے زارا کو تھمایا۔ جو وہ گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

"کھانا تیار ہے۔ آپ لوگ فریش ہو جائیں تو میں لگا دیتی ہوں۔"

ایبہا نے صاف آواز میں زارا سے کہا۔ تو وہ گلاس ایبہا کے ہاتھ میں تھامی پلیٹ میں رکھتے ہوئے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں۔۔۔ میں بس تھوڑی دیر کے لیے گھر آئی ہوں۔ پھر ہاسپٹل چلی جاؤں گی ماما کے پاس۔"

"تھوڑا سا ریسٹ کر لو۔ کھانا کھاؤ گی تو طاقت آئے گی نا' تبھی ماما کی دیکھ بھال کر سکو گی۔"

ایبہا نے اسی پیار سے کہا جس کا برتاو وہ زارا کے ساتھ پچھلے ایک ہفتے سے کر رہی تھی۔ عمر یا ارازمیں سے جو بھی رات کو گھر آتا وہ زارا کو زبردستی ساتھ لے آتا۔ تب ایبہا ہی تھی جو اس کے آنسو پونچھتی' تسلیاں اور دلاسے دیتی اور اس کے ساتھ سوتی۔

"تم جاؤ۔ جا کے کھانا وانا گرم کرو۔ میں دیکھتی ہوں زارا کو۔" رباب کا وہی تحکمانہ انداز تھا۔ گویا ایبہا نوکرانی ہو۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

معیز نے رباب کی سرد مہری کو اچھی طرح محسوس کیا اور اس سرد مہری کا محرک بھی اسے اچھی طرح سمجھ میں آ رہا تھا۔

"جب سے ماما کی طبیعت خراب ہوئی ہے ایبہا ہی گھر کے معاملات دیکھ رہی ہے۔" معیز نے دبے لفظوں جیسے رباب کو "باز" رہنے کی تنبیہہ کی۔

"سو واٹ۔۔۔ نوکروں کا اور کام ہی کیا ہوتا ہے۔۔۔" رباب نے تنفر سے شانے جھٹکے۔

کچن سے سالن کا ڈونگا لے جاتی ایبہا کے قدم من من کے ہوئے۔

"وہ نوکر نہیں ہے اس گھر کی رباب۔"

معیز نے اس بار قدرے سخت لہجے میں تصحیح کی تھی۔ رباب نے اسے ہلکا سا گھورا اور جتاتے ہوئے انداز میں بولی۔

"فرد بھی نہیں ہے معیز احمد۔"

"ایبہا اس گھر کا فرد ہی ہے رباب۔۔۔" زارا نے کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور معیز پر ایک غلط نگاہ ڈالی جو ساکت سا کھڑا رہ گیا تھا۔

"میں نے شاید اس کا پورا تعارف نہیں کرایا تم سے۔ ایبہا ابو کی کزن کی بیٹی ہے۔ اصل میں ہمارے تعلقات اس کی فیملی سے اچھے نہیں تھے اس لیے۔۔۔ آئم سوری' مگر اب اس نے اپنے اچھے اخلاق سے میرا اس مشکل وقت میں اتنا ساتھ دیا ہے کہ میں اعتراف کیے بنا رہ نہیں سکتی۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ وہ... نوکروں کو سپروائز کرتی ہے۔" رباب نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا مگر زارا کے سکون میں کمی نہیں آئی تھی۔

"اسی کے لیے سوری کہہ رہی ہوں۔ دراصل ہم لوگ ایبھا کو اس کی اصل جگہ دینے کو تیار نہیں تھے... مگر اب خیال آیا کہ جن کے رشتہ داری کے تنازعات تھے وہ تو مر گئے... پھر ہم کون سی دشمنی نبھا رہے ہیں..."

زارا کے لب و لہجے سے دکھ جھلک رہا تھا اور معیز گنگ کھڑا تھا۔ منٹوں میں زارا نے لفظوں کے تیشوں سے سالوں کی دشمنی کی فصیلیں گرادی تھیں۔

وہ فریش ہو کے کھانے کی میز پہ آیا بھی تو فریش نہ تھا۔ طبیعت مضمحل سی تھی۔ ایک عجیب سا بوجھل پن۔

رباب تو بس زارا کی طبیعت اور موقع کی نزاکت دیکھ کے چپ رہ گئی تھی ورنہ تو زارا کو خوب سناتی۔ اس "کہانی" نے اسے تو قطعاً" مطمئن نہ کیا تھا۔ مزید تب تلملائی جب زارا نے کھانا لگا کے جاتی ایبھا کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم بھی بیٹھ کے کھانا کھالو۔ صبح سے کچن میں لگی ہو گی۔" وہ ہلکا سا مسکرادی۔

"آپ لوگ شروع کریں۔ میں ہسپتال کے لیے ٹفن بنا رہی ہوں۔ ابھی ڈرائیور کے ہاتھ کھانا بھیجنا ہے۔" نرمی سے کہا اور ہاتھ چھڑا کے کچن میں چلی گئی۔

زارا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ تو وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھ گئی۔

یونہی... خیال سا آیا۔ کس کی آہ... کس کا صبر ان کے لیے آزمائش بن گیا تھا؟

ساتھ بیٹھے معیز نے تشویش سے اس کے شانے کو چھوا۔ تو وہ چونکی۔

"شروع کرو..." معیز نے کھانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

رباب کا تو دل گھبرا گیا اتنی دکھی صورت حال دیکھ کر اسے زارا اور معیز کے ساتھ گھر آنے کے فیصلے پر افسوس ہونے لگا۔

(اس سے تو اچھا تھا کوئی موی دیکھ لیتی گھر پہ)

وہ کڑھتے ہوئے اپنی پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی۔ ڈرائیور کے ہاتھ اسپتال عمر اور ابراز کے لیے کھانا بھجوانے کے بعد ایبھا نے کچن ہی میں بیٹھ کے تھوڑا سا کھانا کھالیا۔ اس کا رباب جیسی کم ظرف کے سامنے جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کھانے کے بعد معیز نے زارا کو تھوڑی دیر آرام کرنے کا مشورہ دیا تو رباب کا دل گھبرانے لگا۔

وہ اس "دکھی چہرہ" زارا کے ساتھ جا کے آرام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ فوراً" ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم آرام کرو۔ میری وجہ سے ڈسٹرب ہو گی۔ میں پھر آؤں گی۔"

بڑے پیار سے زارا کو لپٹاتے ہوئے وہ چھوٹے بھائی کو کال ملا رہی تھی۔ جو بائیک پہ آکے اسے ساتھ لے جاتا۔

"تم رکو نا زارا کے پاس۔ شام کو میں ہاسپٹل جاتے ہوئے تمہیں ڈراپ کردوں گا۔"

اس کے ساتھ باہر تک آتے معیز نے آفر بھی کی۔

"نہیں معیز۔ زارا کو آرام کی ضرورت ہے، میری وجہ سے وہ ڈسٹرب ہو گی۔"

اس نے طریقے سے انکار کر دیا۔ رباب کو رخصت کر کے وہ چائے کی طلب لیے کچن میں آیا تو ایبھا کو دل جمعی اور پھرتی کے ساتھ برتنوں کی دھلائی میں مگن پایا۔ وہ چونکہ چائے بنانے کا سوچ کر ہی کچن میں آیا تھا سو ایبھا کو متوجہ کیے بغیر ساس پین چولہے پر رکھا۔ کھٹکے کی آواز پر ایبھا نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ فریج میں سے دودھ کا پیکٹ نکال رہا تھا۔

ایپھانے جلدی سے ہاتھ دھوئے اور اس کی طرف پلٹی۔

"چائے چاہیے...؟میں بنادیتی ہوں۔"

اس کے اندر کی پیدائشی عورت نے گوارانہ کیا تھا کہ ایک مرد کو اپنی موجودگی میں چائے بنانے دیتی۔

معیز نے خاموشی سے دودھ کا پیک کاؤنٹر پہ رکھا اور کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا۔

چولہا جلا کر' قہوہ بناتے اور پھر دودھ ڈال کے دم پہ رکھتے معیز نے بے دھیانی میں اسے دیکھا۔ ایک ہفتہ پہلے معیز نے اسے کال کر کے بلایا تھا اور پچھلے ایک ہفتے ہی سے وہ سارے گھر کا نظام ایسے سنبھالے ہوئے تھی جیسے برسوں سے سنبھال رہی ہو۔

وہ تینوں اسپتال میں کھانا' ناشتہ کھاتے یا نہیں' مگر وہ ڈرائیور کے ہاتھ تینوں کے لیے باقاعدگی سے کھانا بھجواتی تھی۔

اس نے ریک میں سے مگ لیا اور اس میں چائے چھان کے ڈالنے لگی۔

اس نے مگ معیز کے سامنے رکھا۔

"تھینکس۔"

"اب آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟"

ایپھا نے بار بار لبوں تک آتا سوال پوچھ ہی لیا۔ تو ایک تکلیف کا احساس معیز کے اندر پھر سے جاگنے لگا۔

"ویسی ہی... جیسی اول روز سے ہے۔" وہ پھیکے لہجے میں بولا۔ ایپھا اس کے سامنے والی کرسی پہ ٹک گئی۔

"وہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" اس نے پورے خلوص سے کہا۔ تو ایک دم سے معیز کی زبان تلخی سے پھسلی۔

"ہاں۔ اگر تم انہیں بددعائیں دینا ختم کردو گی تو۔" ایپھا کے سر پہ جیسے کسی نے ہتھوڑا دے مارا ہو۔ معیز وہ آخری شخص تھا جس سے وہ اس الزام کی توقع رکھتی تھی' مگر وہ "پہلا" بن گیا۔

بعض اوقات ہم توقعات کے کارپٹ پہ بہت بری طرح پھسلتے ہیں۔

ایپھا کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔ اس نے بے یقینی سے معیز کو دیکھا وہ بات کرتے ہوئے اسی کی طرف متوجہ تھا۔ ایپھا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"مطلب... آپ میرے بارے میں... اتنا برا سوچتے ہیں؟" اس سے بولنا مشکل ہوا۔

"دیکھو... ڈراما مت کرنا یہاں۔ اس دنیا میں تمہارے سوا ہمارا کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے' سو صاف اور سیدھی بات ہے۔ جو میں نے کہہ دی۔"

وہ بڑی رکھائی سے اس کے آنسوؤں کو ڈراما کہہ گیا تھا۔ ایپھا کے آنسو تو کیا حواس بھی ٹھٹھر گئے۔

اتنے دنوں سے وہ کتنی ایمان داری سے ان لوگوں کے ساتھ چل رہی تھی۔ سفینہ بیگم کا نام اس کی نمازوں کی دعاؤں کا باقاعدہ حصہ بن گیا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے سفینہ بیگم سے بہت محبت تھی' بلکہ اس لیے کہ... معیز کو ان سے شدید محبت تھی۔

وہ مزید کوئی بات کیے بنا وہی بدگمانی لیے مگ اٹھائے چلا گیا تو وہ یونہی ساکت بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

رباب کی باتوں پہ ایپھا کا دل دکھتا تھا... تو معیز کی باتوں کا وہ کیا کرتی؟ وہ تو دکھتے دل کو چیر ہی گیا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی... اس کا تو دکھ بھی ڈراما بن گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں زارا باقاعدگی سے پانچوں نمازیں پڑھ رہی تھی۔ معیز اور ایراز تو خیر شروع ہی سے پابند نماز تھے۔
معیز فجر پڑھنے گیا تو لاؤنج میں صوفے پہ لیٹی ایبہا کی آنکھ کھل گئی.... فجر پڑھنے کے بعد مسنون دعائیں پڑھ کے پوری نیک نیتی سے سفینہ بیگم کے لیے دعائے صحت کرنے کے بعد وہ زارا کے کمرے کی طرف آئی۔
اس نے ہلکا سا کھٹکھٹانے کے بعد دروازہ کھول کے دیکھا تو زارا جاگ رہی تھی۔
"میں آجاؤں....؟" ایبہا نے اجازت طلب کی تو وہ جو تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی اٹھ بیٹھی۔ دوپٹہ ابھی تک نماز کے اسٹائل میں لپیٹا ہوا تھا۔ اثبات میں سر ہلایا۔
"آجاؤ...." ایبہا جھجکتی ہوئی اندر آگئی۔
"بیٹھو...." زارا نے اپنے بیڈ پہ اشارہ کیا تو وہ کنارے پہ ٹک گئی۔ ایبہا نے چند لمحے جیسے لفظوں کا جوڑ توڑ کیا ہو۔ پھر سر اٹھا کر زارا کو دیکھا۔
"اللہ جانتا ہے زارا۔ میں نے کبھی بھی آنٹی کے لیے کچھ برا نہیں سوچا اور نہ ہی انہیں بد دعا دی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ زارا نے ہاتھ بڑھا کر بے اختیار ہی اس کا ہاتھ تھپکا۔
"وہ آپ لوگوں کی ماں ہیں اور میں جانتی ہوں کہ ماں جیسی دولت کا کھونا کیسا ہے.... آپ پوری دنیا کھو بیٹھتے ہیں۔"
ایبہا کے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے اور ساتھ ہی زارا کے بھی۔
"دے لیتیں بد دعا ایبہا.... تمہارا صبر ہی پڑ گیا ہے شاید۔" زارا روتے ہوئے دکھ سے بوجھل لہجے میں بولی۔ تو کچھ بولنے کی کوشش میں ناکام ہو کر ایبہا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"ہم میں سے کسی نے بھی تمہیں انصاف نہیں دلایا اور تم پھر بھی صبر کرتی رہیں...."
زارا پہ گزرے دنوں میں بہت کچھ وارد ہوا تھا۔ ٹھوکر لگنے پہ تو آنکھیں کھل ہی جایا کرتی ہیں۔ پھر آگے پیچھے بہت کچھ دکھائی دیتا ہے۔
"ہم سب حالات کا شکار ہیں زارا۔ آنٹی کا کیا قصور.... میں ان چاہا فیصلہ ہوں جو ان پر تھوپا گیا تھا۔ اور مسلط کر دیے جانے والے فیصلوں پر کوئی بھی خوش نہیں ہوا کرتا۔" ایبہا نے پل بھر میں سب کو بری کر دیا تھا۔
"میری طرف سے دل میں میل مت لاؤ زارا۔ میں تو اس گھر کے ہر فرد کے لیے دل سے دعا کرتی ہوں۔ تو اس ماں کے لیے کیوں نہ کروں گی جس کے بیٹے نے ایک لڑکی کو بازار میں بکنے سے بچایا تھا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں زارا۔"
وہ بری طرح رو رہی تھی۔
اور زارا نے جیسے اتنے عرصے میں پہلی بار اس کے دکھ کی شدت کو محسوس کیا اور اسے خود سے لپٹا لیا۔
یہ اس کے یقین کا اظہار تھا۔ ایبہا کے دل میں ٹھنڈک سی اترنے لگی۔

☼ ☼ ☼
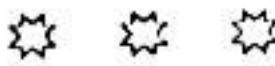
بے کیف سے دن' بوجھل راتیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ بے سکونی کی کیفیت میں تھا۔
عون اسپتال سے گھر آیا تو امی بھابی نے سفینہ بیگم کی بابت پوچھا۔ وہ انہیں تفصیل بتا کے کمرے میں آیا تو طبیعت مضمحل سی تھی۔ معیز سے ظاہری نہیں دلی دوستی تھی۔ اس کا دکھ' عون کو بھی دکھی کرتا تھا۔
ثانیہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔ عون کو اندر آتا دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔
وہ اسے نظر انداز کرتا اپنے رات کے کپڑے لیے واش روم میں چلا گیا باہر نکلا تو وہ ابھی بھی یونہی منتظر سی بیٹھی

تھی۔ عون نے حسب عادت تکیہ اٹھا کر اپنی جگہ کو جھاڑا۔

"کیسی طبیعت ہے اب آنٹی کی۔۔۔؟"

وہ اسے سونے پہ "تلا" دیکھ کر نرمی سے بولی۔

"ہوں۔ ویسی ہی ہے۔"

سرہلا کر مختصراً" جواب دیا اور بتی بجھا کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ ثانیہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہونے لگی۔

جن دنوں وہ متوجہ رہتا تھا' تب بھی وہ گھبرائی ہوئی رہتی تھی اور اب اس کا "غیر متوجہ" انداز بھی دل پر آرے چلا رہا تھا۔ وہ اب کڑھنے لگی۔

اس کی تو شاید نزدیک کی نظر بھی کمزور ہے۔ اتنی خوب صورت بیوی بھی دکھائی نہیں دیتی۔۔۔ چلو قبول صورت ہی سہی۔

"عون۔۔۔ تمہیں نہیں لگتا کہ ہم کچھ عجیب سے ہو گئے ہیں۔" وہ بلا ارادہ بے اختیار ہی کہہ گئی۔ پھر دانتوں تلے زبان دبا کر اسے سزا بھی دی۔ دم سادھ کے پڑ گئی۔ جانے وہ کیا سمجھے' عون کی آواز لمحہ بھر کے وقفے سے اندھیرے میں ابھری۔

"تم شاید غیر فطری کہنا چاہ رہی ہو۔"

ثانیہ پر تو گھڑوں پانی پھرا۔۔۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنی سانس بند ہوتی محسوس کی۔ وہ کروٹ بدل کے ثانیہ کے بالکل پاس آگیا تھا۔

"میں تو فطرت سے پیار کرنے والوں میں سے ہوں۔" دھیما جذب سے بھرپور لہجہ۔ ثانی کے بالکل کان میں گنگنایا تھا۔ اور وہ حواس باختہ سی اسے اجنبیت کی تمام دیواریں ٹوٹتے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ آئینے کے سامنے کھڑی کان میں بندہ پہن رہی تھی' جب وہ مکمل تیار شدہ حالت میں بڑا مصروف سا اس طرف آیا اور پرفیوم اٹھانے کے لیے جھکا۔

نگاہ آئینے میں۔۔۔ ثانیہ کی نظر سے ٹکرائی تو ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس مسکراہٹ نے ثانیہ کے چہرے پر جیسے شعلوں کی لپٹیں دوڑا دیں۔ وہ محجوب سی ہاتھوں سے پھسلتا بندا سنبھالنے لگی۔

"اوفوہ۔۔۔ میری پرنسز کس الجھن میں پڑ گئی ہے۔" وہ پرفیوم واپس رکھتا سیدھا ہوا اور مسکرا کر کہتے ہوئے بندا اس کے ہاتھ سے لے کر خود پہنانے لگا۔ پھر ہلکا سا کھنکھارا۔

"تمہیں پتا ہے میاں بیوی کے رشتے میں جب محبت ہو تو وہاں انا نہیں ہوا کرتی۔۔۔ صرف مان ہوتا ہے۔" بے حد نرمی سے کہا اور وہ جو بندا پہناتے اس کے ہاتھوں کے لمس ہی سے مسمرائز تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

دفعتا" وہ گھٹنے کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا اور دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر ذرا سا سر جھکایا اور گویا اعتراف کرنے لگا۔

"مجھے تم سے محبت ہے ثانیہ عون عباس۔ تم دس ہزار بار مجھ سے روٹھو گی تو ہر بار میں ہی تمہیں مناؤں گا' کیونکہ میری محبت میں انا نام کا کوئی دشمن نہیں ہے۔" ثانیہ لمحہ بھر میں ہلکی پھلکی ہو گئی۔

سارے خود ساختہ خوف اور فضول سوچیں۔۔۔ وہ کہے گا۔۔۔ طعنے دے گا۔ سب اڑنچھو ہو گئے۔ میاں بیوی میں محبت ہو تو "انا" نہیں ہوا کرتی۔ محبت کرنے والے خود ہی دوسرے کی عزت نفس کا خیال کرتے ہیں ثانیہ کو یہ

سبق بڑے اچھے سے سمجھ میں آیا تھا۔
وہ پلٹی اور ڈریسنگ ٹیبل پر سے عون کا پرفیوم اٹھایا۔ پہلے ہلکا سا فضا میں اسپرے کیا اور لمبی سی سانس اندر کھینچ کر خوشبو کو محسوس کیا۔
عون دراز قد اس کے سامنے کھڑا ہوا' ثانیہ نے دل کی پوری رضا کے ساتھ اس کے پاس آتے ہوئے اس کے ملبوس پر اسپرے کیا پھر بڑے اطمینان کے ساتھ بولی۔
"یہ خوش فہمی تم بھول جاؤ کہ میں دس ہزار بار تم سے روٹھوں گی... ہاں مگر..." اس نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر گویا وارننگ دی۔
"تمہارے خراٹوں کی وجہ سے ہر بار لڑائی ہوا کرے گی۔"
"تو تم میرے منہ پہ تکیہ رکھ دینا۔"
عون نے معصوم سا منہ بنایا۔ ثانی نے منہ لٹکا لیا۔
"یہی تو نہیں کر سکتی... پانے کے بعد کھونا بہت مشکل ہے۔" اف... اعتراف محبت۔
عون کا دل بہت ترنگ میں دھڑکا۔ کھینچ کر اسے اپنی گرفت میں لیا۔
"بہت گندی جان ہو... اتنے دن تنگ کیا مجھے۔" ثانیہ ہنسی۔
"آئی لو یو..." کان میں گنگناتا عون کا دھیما سا لہجہ اور ثانیہ کا مدھم سا اعتراف۔
"می ٹو..."
"دو بے وقوفوں کی کہانی کی بنیاد "محبت" تھی۔ سو محبت بھرے انداز میں محبت کے اعتراف پہ ہی ختم ہوئی۔ ہر اختلاف' ہر لڑائی۔

☼ ☼ ☼

ڈراما... ؟ ڈرائیونگ کرتے معیز کا ذہن وہیں اٹکا ہوا تھا۔
سفینہ بیگم کا ابیہا سے رویہ سب کے سامنے تھا اور ایسے میں ابیہا کا اس قدر مثبت رویہ۔
معیز نے سر جھٹکتے ہوئے موبائل سے رباب کو کال ملائی۔
"ریڈی ہو تو راستے میں سے تمہیں پک کر لوں...؟"
"اوہو... کہاں کا پروگرام ہے؟"
رباب نے کھنکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"شکر ہے اس سڑے بھسے فیز سے نکلے سب۔"
معیز نے احتیاط سے موڑ کاٹا۔ اس کا دھیان رباب کے انداز کی طرف نہیں تھا۔
"اسپتال جا رہا ہوں۔ سوچا تمہیں بھی لے چلوں۔" وہ بولا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
"رباب... کہاں ہو یار...؟" معیز کو شک ہوا۔ شاید لائن ڈراپ ہو گئی تھی۔
"زارا بھی ساتھ ہے؟" رباب نے پوچھا تو معیز نے اس کی بھی تفصیل بتا ڈالی۔ رباب کا تو سر کے بال نوچنے کو جی چاہا۔
دونوں بہن بھائی ہی مجذوب بنے بیٹھے تھے۔ بھئی۔ کیا دنیا بیمار نہیں پڑتی...
"آئم سوری معیز... میں کچھ بہتر محسوس نہیں کر رہی ایکچوئلی مجھے اسپتال کے ماحول سے وحشت ہوتی

ہے۔ یونو دوائیوں کی بُو وغیرہ۔۔۔"
وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تو معیز کی پیشانی پر ہلکی سی شکن پڑی۔
"اوکے۔۔۔ اللہ حافظ۔"
اس نے مختصرا" کہہ کر لائن ڈراپ کرتے ہوئے موبائل ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا۔
ذہن ایک بار پھر ایہا مراد کی طرف پلٹنے لگا۔
وہ کس نیت سے یہ سب کر رہی تھی؟ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ اسپتال میں داخل ہوا تب اس کے موبائل پر ایراز کی کال آنے لگی تھی۔
اس نے صرف "ایراز کالنگ" جگمگاتے ہوئے دیکھا تو دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ وہ یونہی موبائل مضبوطی سے تھامے اندر کی جانب دوڑا۔ وہ یہ کال نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ وہ پھولی سانسوں کے ساتھ سفینہ بیگم کے کمرے تک پہنچا۔ اس نے اندر سے دو ڈاکٹرز اور نرسوں کو نکلتے دیکھا اور ساتھ ایراز۔۔۔ معیز کی ٹانگوں کی جان گویا نکلنے لگی۔
تب ہی ایراز کی نظر اس پر پڑ گئی تو وہ بھاگنے کے سے انداز میں معیز کی طرف آیا۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔
وہ پاس آ کے جوشیلے انداز میں بولا۔
"ماما کو ہوش آ گیا ہے بھائی۔۔۔ ابھی ڈاکٹرز چیک کر کے گئے ہیں۔ وہ بول نہیں رہیں، مگر وہ بالکل ٹھیک ہیں۔"
اور معیز۔۔۔ پھر سے جی اٹھا۔
وہ تیزی سے کمرے میں بھاگا تھا۔
سفینہ بیگم چت لیٹی تھیں۔ مگر اتنے دنوں سے بند آنکھیں اب مسلسل کھلی تھیں اور چھت کو دیکھ رہی تھیں۔
"ماما۔۔۔ ماما۔۔۔" فرط جذبات سے وہ انہیں پکارتا ان کے قریب چلا آیا۔ تو انہوں نے چہرہ گھما کر دیکھا۔
ایراز اس کے پیچھے تھا۔ سفینہ بیگم کا کمزور سا لہجہ ابھرا۔
"تم لوگ کون ہو۔۔۔؟"
ان کے انداز میں اس قدر اجنبیت تھی کہ دونوں بھائی اپنی جگہ گڑے رہ گئے۔ انجکشنز لے کے آتا عمر بھی ساکت سا تھا۔

☼ ☼ ☼

دعائیں رنگ لائی تھیں سفینہ بیگم کومے سے باہر آ گئیں، مگر شدید نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے ان کی دماغی کیفیت متاثر ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے فی الحال وہ کسی کو پہچان نہیں پا رہی تھی، مگر ان کے لیے تو یہی خوشی بہت تھی کہ ماں زندہ، جیتی جاگتی حالت میں سامنے تھی۔
وہ زارا کو لینے آیا۔ تو خوشی کی خبر سن کر وہ رونے لگی۔
"رو مت زارا۔ پہلے اللہ کا شکر ادا کرو۔" ایہا نے نرمی سے ٹوکا تو معیز نے بے اختیار اسے دیکھا۔
"مبارک ہو۔" وہ کچھ جتانے والے انداز میں بولی تو معیز عجیب سی کیفیت کا شکار ہوا۔
"میں بس شکرانے کے دو نفل پڑھ لوں۔ پھر ہاسپٹل چلتی ہوں۔" زارا ہنستی روتی کیفیت میں تھی، مگر پہلے وہ اس اللہ کا سجدہ شکر ادا کرنا چاہتی تھی جس نے ہاتھ اٹھاتے ہی اسے نواز دیا تھا۔
زارا کے جانے کے بعد معیز نے دیکھا ایہا لاؤنج میں صوفے پر جا بیٹھی تھی اور اپنی مسنون دعاؤں والی

کتاب بند کر کے دعا مانگ رہی تھی۔

وہ کچھ سوچ کر اس کی طرف آیا۔ اس نے ایہا کی دعا مکمل ہونے اور آمین کہہ کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے کا انتظار کیا وہ اٹھنے لگی تو' معیز کو کھڑے پا کر چونک گئی۔

"آئم سوری!" وہ راستے میں کھڑا تھا۔ ایہا وہاں سے جانے لگی تھی جب وہ صاف آواز میں بولا۔

وہ ٹھٹک گئی۔ بے حد حیرت سے معیز کو دیکھا۔

"میں نے ٹینشن میں آکر وہ فضول بکواس کردی تھی۔ اس کے لیے سوری۔"

"میں ہر شخص کو معاف کرنے میں جلدی کرتی ہوں۔ آپ کو بھی اسی وقت کر دیا تھا۔ اس سے دل صاف رہتا ہے۔"

وہ پرسکون انداز میں کہتی معیز کو بے سکون کر گئی۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

زارا اچھی طرح دوپٹہ لپیٹتی کھلے چہرے کے ساتھ آئی تو وہ چونکا۔

"ایہا سے پوچھ لو۔ وہ جائے گی؟"

وہ کہنا کچھ چاہتا تھا اور منہ سے کچھ اور ہی نکل گیا۔ زارا کو بھلا کیا اعتراض تھا۔ فورا" اسے لے آئی۔ ان دونوں کے ساتھ باہر نکلتے معیز کو احساس ہوا کہ زارا نے بالکل ایہا کے طریقے سے دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔

"تو کیا زارا۔۔۔ ایہا کو قبولنے لگی ہے؟"

معیز کے ذہن میں پھانس سی اٹکنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

سفینہ بیگم کے سنبھلنے تک زارا کی شادی آگے کردی گئی تھی۔ وہ تیزی سے روبصحت تھیں اور ہاسپٹل سے گھر شفٹ کردی گئی تھیں۔ ہاں مگر ذہنی کیفیت کسی وقت بالکل غائب دماغ سی ہو جاتی تو وہ عجیب بہکی بہکی سی باتیں کرتیں۔ کسی کو بھی نہ پہچانتیں یا پھر اگر اپنی کسی بات پہ اڑ جاتیں' خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ تو وہ بحث سننا پسند نہ کرتی تھیں۔ زور زور سے چیختی چلاتیں اور ڈاکٹر نے انہیں سختی سے ٹینشن فری رکھنے اور پیار اور عقل مندی سے کنٹرول کرنے کی ہدایت کی تھی۔ زارا کے ذمہ ان کی مستقل دیکھ بھال آگئی تو وہیں سارے گھر کا نظام ایہا کا محتاج ہو گیا نذیراں واپس آچکی تھی۔ اس کے ساتھ مل کے ایہا گھر کے ہر کونے کو سنوارتی۔

"مجھے اس لڑکی کی شکل سے ہی چڑ ہے' ورنہ میں اسے مستقل نوکرانی بنانا پسند کرتی۔"

رباب نے ایک بار با آواز بلند ایہا کو سناتے ہوئے مذاقا" معیز سے کہا تو وہ سناٹے میں آگیا۔

"شٹ اپ رباب۔" وہ ناگواری سے بولا تو رباب نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"تمہارا بہت دل دکھتا ہے اس کے خلاف سن کر۔"

"وہ تمہارے خلاف یہ سب کہتی تو میں یونہی اعتراض کرتا۔" معیز نے کہا تو وہ تلملا اٹھی۔

"یعنی تمہارے نزدیک مجھ میں اور اس تھرڈ کلاس میں کوئی فرق ہی نہیں ہے؟"

"وہی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ تم اپنے اور اس کے درمیان موجود فرق باقی رہنے دو۔ جو رباب ہے وہ ایہا کبھی نہیں ہو سکتی۔" معیز نے ٹھنڈے لہجے میں کہا تھا۔

اور یہ سب اپنے کانوں سے سنتی ایہا مراد کے ہونٹوں پہ چپ کا تالا تھا۔ اسے لگتا تھا وہ معیز کے سامنے اپنے حق کی آواز اٹھا کر شاید خود کو بے مول کر بیٹھی ہے' اب وہ دوبارہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اسے خدا کے فیصلے کا انتظار تھا۔

٭ ٭ ٭

سفینہ بیگم کے سامنے جانا ایہا کے لیے کڑا امتحان ثابت ہوا۔ مگر یہاں زارا کی فراست کام آئی۔
"آپ چاہتی تھیں نا یہ اس گھر کے کام کرے تو جب سے آپ بیمار ہوئی ہیں نذیراں کے ساتھ مل کر یہ سارا گھر سنبھال رہی ہے۔۔۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔"
اور سفینہ بیگم اچھی طرح سمجھ گئیں۔ البتہ شدید بیماری نے بھی ایہا سے ان کی نفرت اور بدگمانی کو ختم نہیں کیا تھا۔ وہ ایہا کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتیں جیسا کسی نوکرانی کے ساتھ۔ اور دوپہر کے کھانے پہ تو حد ہی ہوگئی۔ شدید گرمی سے پریشان زارا شاور لے کر فریش ہونے گئی تب سفینہ بیگم کے کھانے کا ٹائم ہوگیا تو ایہا بڑی نفاست سے سلاد اور رائتے کی باؤلز سمیت کھانا ٹرے میں سجائے ان کے کمرے میں آگئی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر منہ بنایا۔
"تم پھر آگئیں۔ نذیراں کہاں مرگئی ہے؟"
ایہا نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔ ایک برتن میں ان کے ہاتھ دھلوائے۔
"بہت ڈھیٹ ہو۔ بالکل اپنی ماں کی طرح۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔
"نذیراں سارا کام ختم کرکے گئی ہے۔ یہ ذمہ داری تو میری ہے نا۔" وہ نرمی سے بولی اور ہاتھ خشک کرنے کے لیے نیپکن انہیں تھمایا۔
"تم کون ہوتی ہو میرے گھر کی ذمہ داری اٹھانے والی۔ ہنہ۔۔۔" انہوں نے نیپکن بیڈ پر پھینکا۔
"میری بیماری کا بہانہ بنا کر قبضہ کرنا چاہتی ہو تم۔" وہ تلملائیں۔ ایہا نے نفی میں سر ہلایا۔
"آپ ٹھیک ہو جائیں تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔"
"اور اس گھر کا حصہ بھی چھوڑ دو گی؟"
وہ تنفر سے بولیں تو انداز جارحانہ تھا۔ ذہنی دورے کے تحت وہ ایسے ہی ایک بات پہ اڑ جاتی تھیں۔ ایہا سے تو خیر ویسے بھی انہیں پرخاش تھی۔
"جی۔۔۔ چھوڑ دوں گی۔"
معیز کے قدم کمرے کے دروازے ہی میں ٹھٹک گئے۔ وہ کھانے کی ٹرے سفینہ بیگم کے سامنے رکھ رہی تھی۔
"اور میرے معیز کو بھی۔۔۔"
انہوں نے اسی حقارت بھرے انداز میں گویا کانوں بھرا کوڑا سے رسید کیا تھا۔ وہ بلبلائی روح تک تڑپی مگر منہ سے ایک لفظ نہیں بولا تھا۔
"کھانا کھالیں آپ۔۔۔"
"نہیں۔ پہلے تم کہو کہ تم میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو گی۔" وہ بضد ہوئیں اور اب یقیناً کتنی ہی دیر وہ اسی بات پہ اڑی رہنے والی تھیں۔
"میرا ان سے کیا تعلق۔۔۔ جب میں چلی جاؤں گی تو سب کچھ خود بخود ختم ہو جائے گا۔"
وہ بڑی برداشت سے کام لیتے ہوئے بولی تو نا چاہتے ہوئے بھی آواز بھر آگئی۔
"ہوں۔۔۔ چلی جانا۔ اچھا۔۔۔ ورنہ میں نوکروں سے کہہ کر تمہیں خود باہر پھنکوا دوں گی۔" وہ سرہلاتے ہوئے تسلی سے بولیں اور کھانا کھانے لگیں۔

"نذراں کھانا اچھا بنانے لگی ہے۔۔۔ میرے پاس کھڑے کھڑے سیکھ گئی ہوگی۔"

وہ یونہی بولتی رہتی تھیں۔ اور ایہا ان کے کھانا کھانے کے دوران ایک طرف کرسی پہ بیٹھی سنتی رہتی۔ اب بھی ان کی بات پر تائیدی انداز میں سرہلایا۔ بنا تصحیح کیے کہ یہ کھانا ایہا نے بنایا تھا' بلکہ اب تو کھانا پکتا ہی ایہا کی مہربانی سے تھا۔ زارا تو ان کاموں میں نکمی تھی۔

معیز گہری سانس بھرتا اندر آیا۔ ایہا کی قوت برداشت واقعی کمال کی تھی' صحیح معنوں میں وہ ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔



"آؤ معیز۔۔۔ کھانا کھاؤ۔"

وہ معیز کو دیکھ کر خوش ہوئیں۔ وہ لنچ کرنے آفس سے گھر آیا تھا۔

"جی ماما آپ کھائیں۔ میں ابھی فریش ہوں گا۔ آپ کو دیکھنے آگیا۔" وہ مسکراتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

وہ بھی مسکرائیں۔ تو واقعی بالکل ٹھیک ہی لگیں۔

"اب میں نے سوچ لیا ہے کہ زارا کی شادی میں ہی تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں۔ بھولے آؤس گی میں' تو میری فکر کم ہوگی۔ بستر پہ پڑی ہوں سارا گھر اوندھا سیدھا ہو گیا ہو گا۔"

وہ مگن انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ معیز کی نگاہ بے اختیار ہی ایہا کے سفید پڑتے چہرے کی طرف اٹھ گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایہا کے سامنے کوئی ایسی بات کرے۔

خود چاہے وہ کوئی بھی فیصلہ کرنا چاہتا تھا' مگر یہ وہ جان گیا تھا کہ وہ ایک بے ضرر اچھی لڑکی ہے۔

سفینہ بیگم کی بات کا جواب اچانک دروازہ کھول کے ابراز کے ساتھ اندر داخل ہوتے عمر نے دیا۔

"غلط فہمی ہے آپ کی پھوجان سارا گھر اپنے قدموں پہ کھڑا ہے اور وہ بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ۔"

"اچھا۔۔۔ تمہیں بڑی خبر ہے۔" وہ ہنسیں' ایہا کو اپنا آپ وہاں مس فٹ لگا تو وہ اٹھنے کو پر تولنے لگی۔

"پھر بھی اگر آپ اپنے کسی بیٹے کی شادی کرانے پہ تلی ہی ہوئی ہیں تو میری کرا دیں۔"

ابراز نے مسکین سا منہ بنایا۔

"بلکہ مجھے گود لے کے بھی یہ فریضہ ادا کر سکتی ہیں۔" عمر کے جملے کمال کے ہوتے تھے ایہا کو ہنسی آنے لگی۔ مگر عمر کے اگلے فقرے نے اسے ٹھرا دیا۔

"رہ گیا آپ کا گھر تو وہ آپ کی بڑی بہو نے چمکا کے رکھا ہوا ہے۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی سے چھائی۔ ایہا حواس باختہ سی کرسی سے اٹھی۔

"کیا بکواس ہے یہ عمر۔۔۔؟" وہ غصیلے لہجے میں بولیں۔ ساتھ ہی ایہا کو گھور کے دیکھا۔

"یہ کوڑے کے ڈھیر سے اٹھ کے آئی لڑکی۔۔۔ اسے تم میری بہو کہہ رہے ہو۔۔۔"

نفرت' حقارت' تنفر۔۔۔ خوف خدا ختم تھا' یہاں جو عورت اپنے ٹھنڈے مزاج کے مثالی شوہر کے ساتھ ساری زندگی طبل جنگ بجائے رہی تھی وہ کسی اور کو کیوں کر بخشتی' ایہا کا چہرہ اہانت کے مارے سرخ ہو گیا۔

"ہیرا کوڑے کے ڈھیر پہ پڑا ہو' تب بھی ہیرا ہی ہوتا ہے پھو! اس کی قیمت اور قدر میں فرق نہیں آتا۔"

عمر سنجیدہ تھا' مگر اسے احساس نہیں تھا وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ اگلے ہی پل سفینہ بیگم نے جیسے غصے سے بے قابو ہو کر ہاتھ مار کے کھانے کی ٹرے پرے گرائی اور ایک پلیٹ اٹھا کے ایہا کو دے ماری جو پوری قوت سے اس کے بازو سے ٹکرائی اور نیچے گر گئی۔ واہی تباہی بکتی سفینہ بیگم نے گلاس اٹھایا تو ابراز ان کے اور ایہا کے درمیان آ

گیا۔

"کیا ہو گیا ہے ماما۔ ریلیکس۔"

اس نے نرمی سے آگے بڑھ کے ان کے ہاتھ سے گلاس لیا۔ اور ان کے ہاتھ تھام لیے۔ **ایہا** فی الفور کمرے سے باہر نکل گئی۔ عمر اور ایراز سفینہ بیگم کو ٹھنڈا کر رہے تھے۔ **معیز** اٹھ کر تیزی سے **ایہا** کے پیچھے نکلا۔

ان دنوں اس کے پاس جائے پناہ صرف ایک ہی تھی کچن۔ وہ دروازے پر ہی ٹھٹک گیا۔

کچن میں کرسی پر بیٹھی میز پہ بازو کے گھیرے میں سر ٹکائے وہ یقیناً "رو رہی تھی۔

تاسف اور دکھ کا احساس۔ اور سب سے بڑھ کر شرمندگی۔ **معیز** کے قدم من بھر کے ہو گئے۔

آج تک وہ یہی سوچتا اور کڑھتا آیا تھا کہ زندگی نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مگر آج پتا چلا کہ اس سے بھی زیادہ برا تو **ایہا** کے ساتھ ہوا تھا۔ اور یہ ہونا ابھی جاری و ساری تھا۔

آگے آ کے اس نے کرسی گھسیٹی اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ فوراً "الرٹ ہوئی۔ جلدی سے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں پونچھ کے چہرہ اوپر اٹھایا تو سامنے **معیز** کو پا کر اہانت کے احساس سے پھر آنکھیں نم ہو گئیں۔

**معیز** کو 'سوری' جیسا لفظ بھی بے معنی لگنے لگا۔

بعض رویوں کا مداوا "رویہ" ہی ہوا کرتا ہے الفاظ نہیں۔ **معیز** بھی اسی پوزیشن پر تھا۔ مگر مشکل تو یہ تھی کہ رویے کے اظہار کے لیے رشتے کا تعین ضروری تھا۔

"ماما کی طرف سے میں معذرت چاہتا ہوں۔" وہ در حقیقت شرمندہ تھا۔

لعنتیں، ملامتیں کھاتی یہ لڑکی مشکل وقت میں اس گھر کی صحیح معنوں میں مددگار اور مخلص ثابت ہوئی تھی۔

"ان کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں پتا نہیں ہے۔"

**معیز** کو کہتے شرم آئی۔

(بھلا جب ذہنی کیفیت ٹھیک تھی تب کون سا وہ اسے پھولوں میں تول رہی تھیں)

"مجھے تو پتا ہے نا۔ میں ان کی وجہ سے نہیں رو رہی۔" **ایہا** نے انہیں بری الذمہ قرار دیا۔

"تو پھر کیوں رو رہی ہو۔؟"

رو کے گلابی ہوتی آنکھوں کے گرد سیاہ پلکوں کی گھنی باڑ تھی۔ **معیز** نے اپنے سوال کے جواب میں آنکھوں کے گلابی تہہ والے کٹوروں کو پھر سے بھرتے دیکھا تو وہ مسمرائز سا ہو گیا۔ کیا کسی کا رونا۔۔۔؟ رونا بھی جادو اثر ہو سکتا ہے؟ پھر وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ایسے ہی۔ اپنی بدقسمتی پر یقین آ گیا آج۔ میں جتنی بھی صاف دلی سے کوشش کر لوں عزت اور محبت میرے نصیب میں نہیں ہیں۔ میں کبھی بھی کسی کو اپنا نہیں بنا سکتی۔ میرے باپ نے مجھے بیچ دیا، میری ماں مر گئی اور اس گھر نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔ آپ بس ایک مہربانی کیجیے گا۔ مجھے کسی قابل اعتبار دارالامان میں چھوڑ دیجیے گا۔"

وہ دکھ اور درد کی انتہا پر تھی۔ ایک آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کے رخسار پر لڑھک آیا۔ شدت ضبط سے سرخ پڑتی آنکھوں نے **معیز** کو بیٹھے بٹھائے ہار ہی توڑ ڈالا۔ وہ لمحوں میں خالی سینہ بیٹھا رہ گیا۔

کاگا، سب تن کھائیو

چن چن کھائیو ماس

دو نیناں مت کھائیو

انہیں

وہ ایہا مراد تھی۔ عزت اور محبت کے لیے روتی کرلاتی۔ اپنی بدقسمتی پہ آنسو بہاتی۔ جانتی نہیں تھی آج اس کی قسمت اوج پر ہے اور اس کے بخت کا ستارہ معیز احمد کی پیشانی پر چمکنے والا ہے۔

وہ دوپٹے سے بے دردی سے چہرہ رگڑ رہی تھی۔

سرخ پڑتا چہرہ گھور سیاہ آنکھیں۔

معیز کو جیسے آج پتا چلا کہ وہ کس قدر خوب صورت تھی' اور یہ بھی کہ پاس بیٹھی لڑکی اس کی کیا لگتی تھی۔ وہ معیز کے ساکت و جامد انداز پر گھبرا کر پریشانی سے بولی۔

"قسم سے میں آنٹی سے خفا نہیں ہوں اور کبھی بددعا نہیں کرتی۔ میں نے تو آج تک کبھی اپنے آپ کے لیے بھی برا لفظ نہیں کہا۔"

معیز نے بے اختیار اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ تو وہ گنگ سی ہو گئی۔

"میں جانتا ہوں۔ تم کسی کا برا چاہ ہی نہیں سکتیں۔" ایک تندو تیز جھکڑ سا چلا۔ ایہا نے حد درجہ بے یقینی سے معیز کا چہرہ دیکھا۔

نرم سے تاثرات' اور اس سے بھی بڑھ کے نرمی اس کے لب و لہجے سے چھلک رہی تھی۔

ایہا نے جیسے کرنٹ کھا کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا۔

معیز کا انداز اپنی گرفت میں جکڑنے والا تھا۔ اس وقت وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھ لیتی تو کہیں اور دیکھ ہی نہ پاتی' مگر اس نے مفر کی راہ اختیار کی' کرسی گھسیٹ کر فوراً" اٹھ گئی۔

مگر معیز موقع جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ بالکل تازہ تازہ دل پہ بیتنے والی واردات نے پل بھر میں ایک نیا معیز احمد تعمیر کر ڈالا تھا۔

تو یہ "آسمانی چیز" اس پر نازل ہو ہی گئی تھی۔ جسے عرف عام میں محبت کہا جاتا ہے؟ کیا یہ واقعی تھی؟ اس نے ایہا کا ہاتھ دوبارہ سے تھاما' اسے جانے سے روکا اور خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں ایہا۔۔۔"

بدلی نگاہ' بدلا لب و لہجہ۔۔۔ وہ وحشت زدہ سی ہرنی کی مانند معیز کو دیکھنے لگی۔

اور ان غزالی آنکھوں پر وہ فریفتہ ہی تو ہو گیا۔ دل تو چلا ہی گیا اب بس ایک جان ہی باقی رہ گئی تھی وارنے کو۔ (مگر جو فیصلہ میں نے کیا ہے اس کا کیا؟)

ایہا نے خود کو یاد دلایا۔

اسی وقت زارا اسے پکارتے ہوئے ادھر ہی چلی آئی تو معیز اس کا ہاتھ چھوڑ کر پلٹ گیا۔

تمتماتے چہرے کے ساتھ وہ اللہ کا شکر ادا کرتی زارا کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا۔۔۔ لگی تو نہیں تمہیں؟" زارا کی پریشانی محبت بھری تھی۔ معیز نے شدت سے محسوس کیا اور زارا کو خوش قسمت بھی گردانا جو اس محبت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

وہ ایہا کی آستین اوپر چڑھائے لال نشان دیکھ رہی تھی۔

"کریم مل دیتی ہوں۔ نیل پڑ جائے گا یہاں۔"

جب طعنے تشنے تھے تب بھی زندگی مشکل تھی۔ اب ایک دم سے یوں توجہ ملی تو ایہا کا پھوٹ پھوٹ کے رونے کو جی چاہا۔

اور دل چاہا اپنی پشت پہ کھڑے اس خوب صورت شخص کی بدلتی آنکھوں میں غور سے اپنا عکس دیکھے۔۔۔ اور پھر

بار بار دیکھے... آج تو معجزہ ہو گیا تھا۔

معیز کا دیکھنا... عام دیکھنے جیسا نہیں تھا مگر وہ اسے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے اپنے دل کو کچلنا تھا۔ جو فیصلہ اس نے کیا تھا اس پر عمل کرنے کے لیے اس کا اس گھر اور اس کے لوگوں سے دور ہو جانا ہی بہتر تھا۔

بس کچھ ہی گھنٹے تھے ایبہا کے ان سب کے ساتھ' اس کا ایک بار پلٹ کر معیز احمد کو دیکھنے کو جی چاہا' مگر وہ دل پہ پاؤں رکھے زارا کے ساتھ نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ مرد تھا۔ اور اسے کوئی شرمندگی نہ تھی کہ ایبہا مراد آج اسے اچھی لگی۔ بلکہ اس وقت کے بعد تو وہ بار بار اسے دیکھنا اور سننا چاہ رہا تھا۔

اس کے پاس اپنی اس وارفتہ اور بے اختیارانہ کیفیت کا تجزیہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ بس ایبہا کے سامنے جاتا اور سب حقیقت سامنے آجاتی۔ کیا یہ وارفتگی تب بھی باقی رہتی۔ یا محض ان چند لمحوں کا جادو تھا؟

وہ ایبہا سے ملنے کو بے قرار تھا۔ مگر وہ تو جیسے اس سے چھپ ہی گئی تھی۔

تو یہ کیسے پتا چلے کہ ایبہا مراد اس کے لیے کیا بن گئی تھی۔ بنا اس کے سامنے پھر سے جائے؟

وہ پورے گھر میں اسے ڈھونڈ چکا تھا۔ آخر میں لان میں' مگر وہ ندارد' اسے لگا شاید وہ زارا کے کمرے میں ہو۔ تب ہی سر اٹھا کے آسمان پہ چھائی سرمئی بدلیوں کو دیکھتے اس کی نگاہ میں ٹیرس پر لہراتا سرخ و سفید دوپٹا آگیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

کیا قرار آیا تھا دل کو۔ جو مقصود تھا وہ پا لیا ہو جیسے۔ وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔

وہ سیڑھیاں پھلانگتا ٹیرس پہ آیا تو اسے اوپری سیڑھیوں پہ سر جھکائے بیٹھا پایا۔

سکون کی ایک گہری سانس اس کے حلق سے آزاد ہوئی تھی۔ جوتوں میں مقید پاؤں اس کی نگاہوں کے سامنے آکے ٹھہرے تو ایبہا نے ہڑبڑا کر چہرہ اٹھایا۔

سامنے ہی وہ دشمن جان کھڑا تھا۔ جو کبھی زیست کا حاصل "تھا"

یا شاید "لگا کرتا تھا"

"کس سے چھپ رہی ہو...؟" معیز دفعتاً" برا مان گیا۔ ہلکے سے چبھن آمیز انداز میں کہا۔

"میں کسی سے کیوں چھپوں گی۔ میں نے کسی کا کیا چرایا ہے۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہہ کر ٹھوڑی دوبارہ گھٹنوں پر رکھ لی۔

کیا پتا کچھ چرا ہی لیا ہو۔" وہ بے ساختہ بولا' پھر اپنے لفظوں پر مسکرا دیا۔ اسے یہ سب کہنا اچھا لگ رہا تھا۔ کوئی جبر کوئی زبردستی نہ تھی۔"

"تھوڑا ہی وقت ہے سب لوٹانے میں۔" وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔

"ہوں۔ کیا کہا...؟"

وہ واقعی اسے سننا چاہتا تھا' مگر وہ گہری سانس بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سرخ و سفید پرنٹ کے لباس میں ان ہی دو رنگوں کا دوپٹہ شانوں پہ ڈالے وہ معیز احمد کو ایک نیا جہاں' ایک نئی دنیا لگ رہی تھی جو اس نے آج ہی دریافت کی ہو۔

"میں تو بس یونہی۔ اچھا موسم دیکھ کے آگئی تھی۔" اس نے نیچے جانے کا ارادہ باندھتے ہوئے سادگی سے کہا۔

معیز کے بدلتے انداز پر اس کا دل دھڑکے جا رہا تھا۔

"اور میں تمہیں۔" کتنا سادہ مگر بے ساختہ مدعا تھا۔

ایہا کو زوروں کا رونا آیا۔

وہ کیا کرتی۔ اب اس کی سوچ اس کی منزل بدل چکی تھی۔ اسے ان نگاہوں اور اس لہجے کے جال میں نہیں آنا تھا۔

ایہا نا سمجھی کا تاثر دیتے ہوئے اس کے پاس سے گزری تو معیز کی پرسکون سی آواز نے اس کے جسم و جاں میں ہلچل سی مچادی۔

"کیا مجھے اپنے اب تک کے رویے کی معافی مل سکتی ہے؟"

جال کاٹ کاٹ کے مفر کے راستے ڈھونڈنے والا پرندہ خود بخود دل کی ڈال پر آکے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی جان لرزنے لگی۔ وہ چاہ کے بھی اس سے دوری اختیار کرنے والا ایک قدم بھی نہیں اٹھا پائی تھی۔ شدت سے رو دی۔

دنیا کی بھیڑ میں کھوئے ہوئے کو اچانک کوئی اپنا مل جائے۔ کچھ ایسی ہی حالت ایہا کی بھی ہوئی تھی۔

معیز نے اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے نرمی سے اسے تھام کر گلے سے لگا لیا تھا۔ جیسے اسے سہارا دیا ہو۔ اور بس۔ ایہا کو اپنے اللہ کے جبر و قہر۔ اس کی رحمانیت حاوی ہونے کے دعوے پہ پختہ یقین ہو گیا۔ آج اس کا صبر اس کا شکر اس کی تمام دعائیں اور بے بسی رنگ لے آئی تھی۔

پھر جانے کیا ہوا۔ وہ اس کے حصار کو ایک جھٹکے سے توڑ کر اس سے نظر ملائے بغیر سرپٹ سیڑھیوں کی طرف بھاگ لی۔

"ایہا۔ ایہا۔!" وہ سیڑھیوں کے کنارے تک اسے بے تابی سے پکارتا آیا تھا۔

مگر اس کے پیچھے تو جیسے جن بھوت لگ گئے تھے۔ معیز کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

وہ اپنی شکست تسلیم کر رہا تھا۔ اور وہ تو پہلے ہی اس کی زندگی سے نہ جانے کا مصمم ارادہ ظاہر کر چکی تھی پھر یہ کیا ہوا کہ "شاید مجھے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اعتراف ٹھیک سے کرنا نہیں آیا۔

(مجھے تو ہاتھ جوڑ کے معافی ملے گی۔ یا شاید اٹھک بیٹھک کرنی پڑے)

سیڑھیاں اترتے ہوئے سوچتا وہ ایک ہلکے سے سرور آمیز حصار میں گھرا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ پچھلے کئی دنوں سے اس گھر کی نگرانی کر رہا تھا۔ جہاں سے اس نے ایہا مراد کو نکلتے اور پھر وہیں واپس آتے دیکھا تھا۔ وہ معیز احمد اور ایک دوسری لڑکی کے ساتھ گاڑی میں تھی۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک جاگی۔

یہ لڑکی۔ جادو کا چراغ تھی اس کے لیے۔ تحویل میں آجاتی دوبارہ تو وہ بہت کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ تب ہی وہ اس گھر کے باہر تاک میں بیٹھ گیا۔ صرف کھانا کھانے جاتا اور پھر وہیں سڑک پر آکر جم جاتا۔ وہ ایہا مراد کے گھر سے اکیلے نکلنے کی امید میں تھا۔

اور قسمت اس کا ساتھ دینے کی مکمل تیاری کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

روتے ہوئے اس نے اپنے کپڑوں کا بیگ پیک کیا۔ جو وہ انیکسی سے یہیں لے آئی تھی۔

بس۔ اس گھر اور گھر والوں کے ساتھ اس کا اتنا ہی ساتھ تھا۔ معیز احمد کا لمس یاد آتا۔ اس کا ہارا ہوا مگر پیارا انداز تو جان ٹوٹنے لگتی۔

سب جائیں بھاڑ میں، مگر پھر خیال آتا اس عہد کا جو اس نے خود سے کیا تھا۔

وہ دنگ تھی قسمت کے اس موڑ پر۔ جب اس نے اپنا دل بدلا تو معیز احمد کا دل بھی بدل دیا گیا۔
اگر وہ تھوڑی سی خود غرضی دکھاتی تو اس کی زندگی پر بہار ہو سکتی تھی مگر۔
اس نے موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ سب یقیناً" سو رہے تھے۔
چھوٹا گیٹ تو کھلا ہی ہوتا ہے۔ صرف ہینڈ لاک ہے جو گھمانے پہ کھل جائے گا۔ اور مین روڈ پہ نکلتے ہی کنوینس بھی مل جاتی ہے۔
وہ سب حساب کتاب لگا چکی تھی۔
رونا' رونا۔ شدت کا رونا۔ مگر وہ جانتی تھی اس کا اس گھر سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔
وہ زارا کے کمرے میں تھی۔ اور زارا' سفینہ بیگم کے پاس تھی۔ وہ اپنا بیگ اٹھائے خاموشی سے باہر نکلی تو دل و دماغ عجیب سن حالت میں تھے۔ وہ اب مزید کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔
یہاں سے سیدھی ثانیہ کے پاس جاؤں گی اور پھر اس سے کہوں گی مجھے کسی بہتر مشورے سے نوازے۔
اس نے اندھیری سڑک پر چلتے ہوئے اپنے دل کو قابو کرنا چاہا جو خوف کے مارے بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا۔ تب ہی اس کے پیچھے چلتے سائے نے ایک دم سامنے آکر اس کا راستہ روکا تو بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی۔
"ایمہا۔!" سفاک' سرد مہر سا لہجہ اور سب کچھ پالینے والی فاتحانہ مسکراہٹ۔
یہ چہرہ۔ یہ مکروہ چہرہ اور اس کے گندے عزائم ایمہا کیسے بھول سکتی تھی۔ اس کی ٹانگوں کی جان نکلنے لگی۔ کندھے پہ لٹکا چار جوڑوں والا بیگ منوں برابر لگنے لگا۔
"کب سے ڈھونڈ رہا تھا تمہیں۔ میری سونے کی چڑیا۔"
اسے مارے خوف اور دہشت کے غش آگیا۔ زبان اکڑ کے چڑ اپنی تالو کے ساتھ چپک گئی تھی۔ بنا آواز نکالے وہ تیورا کے گری تو اس شخص نے اسے سنبھالتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور حواس کھوتی ایمہا کو بوری کی طرح کندھے پر لاد کر سڑک کنارے قریبی درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا۔ جہاں کتنے ہی دنوں سے وہ اپنی گاڑی اسی نیت پر کھڑی کرتا تھا۔ آج اس سنسان سڑک پر وہ بیش قیمتی موقع اس کے ہاتھ لگ ہی گیا تھا۔ چند لمحوں میں اندھیری سڑک پر محض گاڑی کی پچھلی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا بے وقوفی ہے۔؟"
موبائل پہ کوئی میسج پڑھتے ہوئے ثانیہ نے خود کلامی کی۔ عون رات گئے ریسٹورنٹ سے لوٹا تھا۔ ابھی فریش ہو کے آیا تھا۔ تولیے سے بال رگڑتے اس کے ہاتھ ٹھٹکے۔
"کیوں۔ سب ہی لوگ تولیے ہی سے بال خشک کرتے ہیں۔"
ثانیہ کو ہنسی آئی۔
"تمہیں نہیں کہہ رہی۔"
پھر الجھن آمیز لہجے میں بولی۔
"تم کہہ رہے تھے ایمہا ان دنوں معیز بھائی کے گھر ہے۔ ابھی مجھے اس کا میسج آیا ہے کہ وہ ہمارے گھر آرہی ہے۔" عون چونکا۔

"معیز کے ساتھ۔ یا اکیلے؟"

"مذاق کر رہی ہو گی۔ اتنی رات کو۔ کوئی بات نہ ہو گئی ہو۔"

ثانیہ نے کئی قیافے لگائے۔ اسی اثناء میں ثانیہ اس کا نمبر ملا چکی تھی۔
ایک بار' دوبار' سہ بار۔ مگر کال اٹینڈ نہیں کی گئی۔
"تم ذرا معیز بھائی سے پوچھو۔ ایمہا کال اٹینڈ نہیں کر رہی۔"
عون نے سرہلاتے ہوئے اپنا موبائل اٹھا کر معیز کو کال کی تو کسی کے گمان میں بھی وہ قیامت نہ تھی جو گزر چکی تھی۔



☆ ☆ ☆

عون کی کال بند ہوتے ہی معیز تیزی سے زارا کے کمرے کی طرف بڑھا تو اسے اندھیرا اور خالی پایا۔ اس کے بعد سارے گھر کی لائٹس آن کر کے دیکھ لیا۔ ماما کے کمرے میں جھانک آیا جہاں ماما اور زارا بے خبر سو رہی تھیں۔
وہ خدشات سے بوجھل دل لیے باہر کی طرف بھاگا۔ لاؤنج کا انٹرنس ڈور (داخلی دروازہ) کھلا تھا۔
گیٹ پہ آ کے اس کے بدترین خدشات کی تصحیح ہو گئی۔ بڑا گیٹ بدستور تالے سے بند تھا۔ مگر چھوٹے گیٹ کی کنڈی کھلی ہوئی تھی۔ البتہ آٹومیٹک لاک کسی کے باہر جا کے دروازہ بند کرنے پر اندر سے خود بخود لگ جاتا تھا۔
معیز نے دروازہ کھول کے سڑک پہ ادھر ادھر نگاہ ڈالی دور دور تک کوئی نہیں تھا۔
وہ بے بسی سے مٹھیاں بھینچے لٹی پٹی کیفیت میں کھڑا تھا۔

(اختتام کی طرف گامزن باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)